© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی مدارس اور اصلاح: اصل مسئلہ

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

۱۱ستمبر۲۰۰۱ءکو نیویارک میں ہونے والے ایک حادثہ نے، جس کے ذمہ دار افراد کا تعین یقین کے ساتھ آج تک نہیں کیا جا سکا، اچانک مغرب و مشرق میں سوچنے کے انداز، تصوراتی خاکے (images) اور اندرونی و بیرونی حکمت عملی پر غیر معمولی گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ اسلام اور مسلمان جو تقریباً نصف صدی کے خاموش عمل کے نتیجے میں یورپ وامریکہ میں ایک نمایاں تعمیری اور معتبر مقام حاصل کر چکے تھے، اچانک شبہ کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔

دوسری جانب مسلمانوں کا مغرب کے بارے میں یہ تاثر کہ وہاں وسعت فکر، رواداری، برداشت، قبولیت، معروضیت (objectivity) اور صلاحیت کی بنیاد پر منصفانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے، عملی طور پر بے بنیاد ثابت ہونے لگا اور کسی فرد کا محض مسلمان ہونا اس کے مشتبہ اور ممکنہ دہشت گرد ہونے کے لیے کافی سمجھا جانے لگا۔ حتیٰ کہ خود مسلم ممالک میں جو شخص اپنی وضع قطع کے لحاظ سے قرآن وسنت سے قریب نظر آیا اسے اتنی ہی مشتبہ نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔

ایک دوسرے کے بارے میں تصوراتی خاکے (images) کی اس تبدیلی کے نتیجہ میں بین الاقوامی سطح پر جو عدم اعتماد اور شک کی فضاء پیدا ہوئی ہے اگر اسے یوں ہی جاری رہنے دیا گیا تو یہ مزید بے شمار خطرات کے پیدا ہونے کا باعث بنے گا اور اگر حالات کی اصلاح خلوص نیت کے ساتھ نہ کی گئی تو وہ ٹکراؤ، جس کی پیش گوئی سیموئیل ہنٹنگٹن نے کی تھی، اور جس کا آغاز دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ سے ہو چکا ہے، مزید خطرناک صورت اختیار کر جائے گا۔

اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مغرب نے ایک حکمت عملی وضع کرنے کے بعد اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ مسلم دانشور اور ارباب حل وعقد (اگر وہ کہیں پائے جاتے ہیں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس جانب سے بڑی حد تک مستغنی نظر آتے ہیں۔ مغرب کی حکمت عملی دیوار کی تحریر کی طرح واضح ہے۔ امریکی سینیٹ کی 'گیارہ ستمبر' پر مقرر کردہ کمیٹی نے اپنی ۲۸ سفارشات میں سے ۲۶ سفارشات میں جس حکمت عملی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا محور تعلیمی اور ابلاغی ذرائع سے امت مسلمہ کے ذہن، بلکہ روح کو تبدیل کرنا ہے۔ جو کام برطانوی سامراج کے ہرکارے لارڈ میکالے نے سیکولر اور غلامانہ نظام تعلیم کے نفاذ سے برصغیر میں حاصل کرنا چاہا تھا اور جس کے نتیجے میں اس خطہ میں ایک پوری نسل ایسے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہوئی جو شکل وصورت میں اپنے ہم وطنوں کی طرح تھے لیکن اپنی فکر اور رہن سہن میں ''گورے صاحب'' کا ایک چربہ تھے، بالکل اسی نہج پر ایک پُرامن ذہنی وروحانی انقلاب لانے کا منصوبہ امریکی فکری اور تحقیقی اداروں کی تجویز پر بنایا گیا ہے۔

مناسب ہوگا کہ اس پس منظر میں تین ایسی دستاویزات کا ذکر کر دیا جائے جو اس دیدہ دلیرانہ منصوبہ کی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ یہ مطبوعہ معلومات کسی بھی صاحب علم سے چھپی ہوئی نہیں ہیں کہ انہیں کوئی خفیہ سازش کہہ کر ٹال دیا جائے بلکہ یہ مطبوعہ شکل میں اور آگہی ومعلومات کی شکل میں انٹرنیٹ پر بھی پائی جاتی ہیں۔

پہلی تحریر کا عنوان ہے: Civil Democratic Islam: Partners, Resources and Strategies جسے Cheryl Benard نے، جو امریکی سفیر برائے افغانستان زلمے خلیل زاد کی اہلیہ بھی ہیں، امریکہ کے مشہور دانش خانے RAND (Think Tank) کے لیے تحریر کیا ہے۔ دوسری دستاویز کا عنوان ہے: Changing Minds Winning Peace: A New Strategic Direction for U.S Public Deplomacy in the Arab and Muslim World اور اسے امریکی ایوان نمائندگان کے لیے ایک مشاورتی حلقے نے تیار کیا ہے، جس کے سربراہ Edward P. Dejerjian ہیں۔ تیسری تحریر گو مختصر ہے لیکن اہم ہے، اسے بروکنگ انسٹی ٹیوٹ کے رکن Stephen Philip Cohen نے تحریر کیا ہے اور اس کا عنوان The Nation and the State of Pakistan ہے۔ اسے The Washington Quarterly نے، موسم گرما ۲۰۰۲ء کے شمارے میں طبع کیا تھا۔ کوہن نے اپنے مقالہ میں حالات کے تجزیہ کے بعد امریکہ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ انفرادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیثیت میں فوجی حکمرانوں سے قریبی تعلقات سے آگے بڑھ کر اسے تعلیمی اداروں اور تعلیمی مواد پر توجہ دینی ہوگی (صفحہ ۱۲۱)۔

Changing Minds Winning Peace میں تفصیلی جائزہ کے بعد بین الاقوامی حکمت عملی کی تشکیل نو کے لیے تجاویز دی گئی ہیں۔ ان میں ایک اہم تجویز یہ بھی ہے کہ تعلیم و تعلم سے وابستہ افراد، صحافیوں اور دیگر افراد کو امریکہ بلا کر مہمان داری اور علمی نشستوں کے ذریعہ ان پر اثر انداز ہوا جائے اور امریکی اقدار و ثقافت کو تعلیم اور تعلیمی وظائف کے ذریعہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں اتار دیا جائے۔

تینوں تحریرات میں وضاحت اور بے تکلفی کے ساتھ مسلمانوں کو چار بڑے گروہوں: روایت پرست، بنیاد پرست، سیکولر اور جدیدیت پسند میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ تصور اسلام کا تجزیہ کر کے جو حکمت عملی تجویز کی گئی ہے اس میں سیکولر افراد کی حمایت، انہیں وسائل فراہم کرنے اور انہیں بطور نجات دہندہ project کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ اس میں بھی اس احتیاط کا تقاضا کیا گیا ہے کہ ہر فرد کی قدر و قیمت کے لحاظ سے اس کی حمایت کی جائے اور وسائل دیے جائیں۔ ساتھ ہی بعض روایت پرست گروہوں کو بھی اس غرض اور نیت کے ساتھ حمایت فراہم کی جائے کہ وہ بنیاد پرستوں کا قلع قمع کر سکیں۔

اس سلسلہ میں ایسے افراد کا پتہ لگانا اور انہیں جدید ذرائع کے استعمال سے مدد دینے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ افراد تک اسلام کی بے ضرر سی تعبیر، جس سے مغرب کو کوئی خطرہ نہ ہو، پہنچا سکیں۔ مثلاً Web کے ذریعہ وہ اپنے خیالات سوالات و جوابات کی شکل میں دیں اور ایک جدید اسلام، جدید فقہ اور جدید فکر وجود میں آجائے۔

ایک اہم مشورہ یہ دیا گیا ہے کہ جدیدیت پسند حضرات سے نصابی کتب لکھوائی جائیں اور ان کتب کو اخراجات میں حصہ بٹاتے ہوئے ارزاں قیمت پر طلباء کو فراہم کیا جائے۔ جس طرح سابق سوویت یونین نے ساٹھ کے عشرے میں کمیونسٹ فکر کو عالمی پیمانہ پر مختلف زبانوں میں کتابوں، رسائل اور علمی کتب کی اشاعتِ کثیر کے ذریعہ اپنے مقاصد حاصل کرنے چاہے تھے، بالکل اسی طرز پر تجویز کیا گیا ہے کہ جدید اسلام کو جو مغرب کے لیے قابل قبول ہو، عوام الناس تک لے جایا جائے۔ اس ''نیک کام'' میں تعلیمی اداروں اور تعلیمی مواد کو بنیادی اہمیت دی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان میں اس وقت جو لوگ اقتدار پر مسلط ہیں وہ اس پس منظر میں اپنے نام نہاد Enlightend Moderation کے دعوے کی بنا پر امریکی مفادات کے بہترین محافظوں کا کردار ادا کر سکتے ہیں اور اسی بنا پر امریکہ کی حکمت عملی کو مختلف عنوانوں سے پاکستان میں نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ماڈل دینی مدارس کا تصور، مدارسِ دینیہ کے لیے ایک مرکزی بااختیار ادارہ کا قیام، مدارس میں کمپیوٹر کے علاوہ ایسے مضامین کی تدریس جن سے دینی مدارس کے طلبہ طبعی اور سائنسی علوم سے آگاہ ہوسکیں اور اس طرح ان میں جدیدیت کا رجحان پیدا ہوسکے، جیسے اقدامات ان کوششوں کا حصہ ہیں۔ گویا شاہین بچوں کو مولے بنانے کے لیے ایسے ماحول اور ایسی غذا سے ان کی پرورش کی جائے کہ ان میں خواہش پرواز اور جرأت پرواز ختم ہو جائے۔ اس کے بعد اگر وہ پرواز کرنا چاہیں تو شوق سے کرلیں۔ ظاہر ہے پر کٹنے کے بعد ان کی پرواز وہیں تک ہوگی جہاں تک گرگس کا جہاں پایا جاتا ہے یا جس حد تک ان کا صیاد اجازت دیتا ہے۔

ماضی میں برطانوی سامراج نے بالکل اسی حکمت عملی کو اختیار کر کے لادینی تعلیمی نظام کے ذریعہ اپنے مفادات کا تحفظ کیا تھا اور برصغیر کے مسلمانوں کو ''روشن خیال اور مہذب'' بنانے کے لیے مغربی اقدار حیات کو اس خطہ میں متعارف کرایا تھا۔ تعلیم کے اس غیر محسوس طور پر ذہنوں کو تبدیل کرنے کے عمل پر اکبر الہ آبادی نے بہت صحیح کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ سنجیدگی کے ساتھ مسلم ممالک اور خصوصاً پاکستان کے حوالے سے ایک جامع تعلیمی حکمت عملی کے ذریعہ دانشوروں اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی فکر اور تہذیب کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لیے ایک شکل تو یہ ہوسکتی تھی کہ امریکہ پاکستان یا ایسے ممالک سے جہاں احیائے اسلام کی تحریکات پائی جاتی ہیں، ایک اچھی تعداد میں نوجوانوں کو تعلیمی سہولیات فراہم کرتا اور یہ نوجوان امریکہ جا کر وہاں کے ماحول میں گھل مل جاتے اور اگر اپنے ملک واپس آ بھی جاتے تو امریکہ کے سفراء کی حیثیت سے۔ لیکن اس میں ایک یہ خدشہ ضرور رہتا ہے کہ جو طلباء تعلیم کے بہانے امریکہ میں داخل ہوتے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ کسی لمحہ دہشت گرد یا ان کے آلہ کار بن سکتے تھے! جبکہ پاکستان یا دیگر ممالک میں امریکہ کی پسند کا نصاب تعلیم رائج کرنے کی شکل میں سانپ بھی مر جاتا ہے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹتی۔

اس حوالے سے جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں ان میں اولاً 'روشن خیالی' پیدا کرنے کے لیے مدارس کے نصاب میں سائنسی مضامین کی تعلیم کو لازمی قرار دینے کی قرارداد ہے۔ دوسرا اہم قدم یہ تجویز کیا گیا ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ کی تربیت کی جائے تاکہ ان میں سے ''بنیاد پرستی'' کو ختم کیا جائے اور وہ اپنے مدارس کو ''جہاد کی فیکٹریاں'' نہ بننے دیں۔ اس کے ساتھ تیسرا کام مدارس کے لیے ایسی جدید کتب کی تالیف وتصنیف ہے جو انہیں ''خطرناک'' نہ بننے دیں اور صلح پسندی، امن اور خاکساری کی تربیت دیں۔

انٹرنیشنل کرائسس گروپ نے اپنی خصوصی تحقیقی رپورٹ میں مدارس کی اصلاح اور شدت پسندی کے خاتمہ کے لیے جو تجاویز دی ہیں ان میں مندرجہ بالا امور کے ساتھ مدارس کے مالی ذرائع و وسائل کی نگرانی، جانچ پڑتال اور ایسے مدارس کی سرپرستی اور انہیں مالی امداد فراہم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے جو امریکہ دشمنی کے مرتکب نہ ہوں اور یورپی اقوام کی حکمت عملی کی حمایت کرنے پر آمادہ ہوں۔ یہ بھی تجویز کیا گیا ہے کہ حکومت پاکستان ایسے مدارس کو جہاں ''جہادی'' ثقافت کے جراثیم پائے جاتے ہوں، خلاف قانون قرار دے کر بند کر دے۔

تکرار کے ساتھ یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ مدارس کم عمر نوجوانوں کو جذباتی طور پر ابھار کر ''فدائیانِ اسلام'' تیار کر رہے ہیں جو نتائج سے بے پرواہ ہو کر ''خودکش حملوں'' کے ارتکاب میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے۔

یہ انقلابی جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال سے بھی واقفیت رکھتے ہیں حتیٰ کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ چندہ جمع کرنے اور پیغامات لے جانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کا کوئی ایک جغرافیائی وطن نہیں ہے بلکہ یہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جہاں ان کی قیادت انہیں حکم دے بلا جھجک چھلانگ لگا کر پہنچ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ایک متحرک خطرہ ہیں اور مدارس ان کی اصل تربیت گاہیں ہیں۔

پندرہ سو سالہ تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے تو دینی مدارس کا اصل میدان مسلمانوں کی علمی وفکری قیادت نظر آتا ہے۔ یہی مدارس تھے جنہوں نے شبلی اور سید سلیمان ندوی جیسے مورخ وعالم، شاہ ولی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسے فقیہ، شاہ عبدالحق جیسے محدث اور انور شاہ کشمیری جیسے متکلم پیدا کیے۔

اس شک وشبہ اور مخالفت کے ماحول میں مدارس کا مستقبل کیا ہے؟ کیا نصابی تبدیلی فی الواقع مدارس کے طلباء کو روشن خیال بنا دے گی؟ کیا سرکاری مدارس وجامعات، جہاں نہ کوئی شیخ الحدیث جہاد کی تعلیم دیتا ہو، نہ طلباء کو اسلحہ کے استعمال کی تربیت دی جاتی ہو، ایسے افراد پیدا کرنے میں کامیاب ہوں گے جو دین کی مغربی تعبیر وتفسیر کے ماہر ہوں اور امریکہ نواز بھی ہوں یا امریکہ کی حالیہ خارجہ پالیسی اور اس کا مسلمانوں کے ساتھ منفی اور تفریق کرنے والا طرز عمل، ان طلباء کو بھی جو مدارس سے وابستہ نہیں رہے، امریکہ کی مخالفت پر آمادہ کر دے گا؟

جہاں تک مدارس دینیہ کے ردعمل کا تعلق ہے، انہیں تین اقسام میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلے وہ مدارس جو امریکہ کے عزائم کا پورا علم رکھتے ہیں اور جو مقامی مخیّر افراد کے تعاون سے فروغِ دین وعلم میں مصروف ہیں، ہم گمان کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ مدارس جو بیرونی مالی تعاون پر چل رہے تھے اور جن کا مسلکی تعلق بیرون پاکستان بعض معروف مکاتب فکر سے تھا وہ اس حکمت عملی سے متاثر بھی ہوں گے اور انہیں اپنی سرگرمیوں کو محدود بھی کرنا ہوگا۔ ایک بہت قلیل تعداد ایسی بھی ہوگی جو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومتی امداد کا خیر مقدم کرے گی اور بعض معاملات میں حکومت کی پالیسی کی حمایت بھی کرے گی۔ ایسے مدارس ہر سیاسی دور میں اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے میں کوئی تردد محسوس نہیں کرتے۔ نتیجتاً معاشرہ میں ان کا مقام وہ نہیں ہوتا جو کلمہ حق کے لیے قربانی دینے والوں کا ہوتا ہے۔

حکومت کے زیر سرپرستی جو ماڈل مدارس قائم کیے جائیں گے ان کو مالی وسائل کی تو کوئی کمی نہ ہوگی لیکن انہیں اپنی غیر جانبدار حیثیت تسلیم کرانے میں انہیں خاصا وقت لگے گا۔ اگر حسن اتفاق سے انہیں ایسے اساتذہ مل گئے جو علمی حیثیت سے اور اللہ سے اپنے تعلق میں مثالی ہیں، جب تو وہ مدارس کوئی مقام پیدا کریں گے ورنہ جس طرح دیگر سرکاری ادارے جوں توں اپنا فرض پورا کرتے ہیں یہ بھی طلباء کی ایک محدود تعداد کو اپنے خیال میں ''روشن خیال'' بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اگر اصل مسئلہ دہشت گردی کا خاتمہ ہے تو وہ مدارس کے نظام کو تباہ کرنے سے حل نہیں ہوگا۔ اس کے اسباب واضح ہیں: امت مسلمہ کے ساتھ ظلم واستحصال کا رویہ، تحریکات آزادی کے کارکنوں کو اذیتیں

© rasailojaraid.com